نوآبادیاتی عہد کا نظامِ تعلیم: مختصر نوٹ

ڈاکٹر ناصر عباس نیر

ABSTRACT:

Colonialism resorts to use and devise all sorts of power to ascertain its control over colonies. There are two major kinds of power that are employed: hard and soft. Education falls under second category. In getting control over minds of native people, it has proved to be a more effective one than hard or brutal kind of power. The English colonizers started 'educational reforms' in late 18th century. Till mid 19th century they had established new educational institutions where medium of instruction was English, with new syllabi that aimed to cater their 'colonial needs'. Though after 1857 vernacular education was introduced at lower level, English had been kept as medium of instruction at higher level. Both kinds of education served the same purpose: to reform Indian society in line with colonial needs. This article seeks to survey briefly history of colonial education policies with analyzing the colonial aspirations of colonizers.

برطانوی ہندوستان میں جتنی تعلیمی پالیسیاں نافذ ہوئیں، ان کی جہت اور مقصد میں کوئی بنیادی نوعیت کی تبدیلی نظر نہیں آتی، تاہم اس مقصد کے حصول کے طریقِ کار میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں کی جاتی رہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف تک ہندوستان میں پاؤں جما لیے تھے۔ اہم سیاسی اور تجارتی کامیابیوں کے بعد کمپنی اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے کوشاں ہوئی، جسے ثقافتی غلبے کی خواہش کہنا چاہیے۔ اگرچہ کمپنی اپنے تجارتی قلعوں، فوجی چھاؤنیوں، اپنے سول انتظامی دفتروں، گرجاؤں، سول لائنوں کے ذریعے بھی اپنے ثقافتی شکوہ کا اظہار کرتی تھی، مگر یہ سب اس کی امپیریل ثقافت کا ایک پہلو تھا اور فقط مرعوب کن اظہار تھا؛ وہ ثقافتی غلبہ چاہتی تھی اور اس غلبے کی راہ سے اپنے سیاسی اقتدار میں وسعت اور استحکام کی خواہش مند تھی۔ تعلیم اس غلبے کا سب

سے اہم اور موثر ذریعہ تھی۔ ہندوستان کے برطانوی حکم ران تعلیم کا وہی تصور رکھتے تھے جو نشاۃ ثانیہ کے دوران میں studia humanitatis کے نام سے معروف تھا اور جس میں ''انسانی آدمی'' یعنی Homo humanus اور ''حیوانی آدمی'' یعنی Homo babarus کی تفریق موجود تھی۔[۱] تعلیم حیوانی آدمی کو اس انسانی آدمی میں منقلب کرتی تھی، جس کا تصور ریاست تشکیل دیتی تھی یا جسے ریاست درجہء اعتبار دیتی تھی۔اسی غرض سے ریاست نے تعلیم کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانیوں کی تعلیم کو اپنا ''فریضہ'' سمجھنا شروع کر دیا تھا۔کمپنی کی حکومت سے لے کر تاجِ برطانیہ کی براہِ راست حکومت تک ہندوستان میں ہمیں تین قسم کی تعلیمی پالیساں ملتی ہیں:مشرقی علوم کی تدریس کی پالیسی؛انگریزی علوم کی تدریس کی پالیسی اور دیسی زبانوں کے ذریعے تعلیم کی پالیسی۔کلکتہ مدرسہ(۱۷۸۱ء) اور بنارس کا سنسکرت کالج (۱۷۹۱ء) بالترتیب مسلمانوں اور ہندوؤں کی کلاسیکی زبانوں یعنی عربی اور سنسکرت کی تدریس کے لیے کھولے گئے۔'' ۱۷۶۵ء اور ۱۸۱۳ء کے درمیانی عرصہ میں کمپنی کی تعلیمی پالیسی کا خاص مقصد سنسکرت اورعربی زبان میں روایتی علومِ شرقیہ کی ہمت افزائی ہوگیا۔''[۲] کمپنی کے اربابِ اختیار یہ بات جان گئے تھے کہ مسلمان اور ہندو اشرافیہ طبقات اپنی قومی شناختیں کلاسیکی زبانوں کے ذریعے کرتے تھے اور یہی ان کی علمی زبانیں تھیں۔چناں چہ ان زبانوں کی سرپرستی سے دونوں طبقات کے با اثر طبقات کی ہمدردیاں حاصل کرنا ممکن تھا۔ ہندوستان کے محدود علاقوں پر قابض ایسٹ انڈیا کمپنی نے تعلیمی نظام کا واضح خاکہ تشکیل نہیں دیا تھا۔مسلمانوں اور ہندوؤں کی کلاسیکی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کرنا، بڑی حدتک اس سیاسی حکمت عملی کا مظہر تھا کہ کمپنی ہندوستان کے اشرافیہ طبقات کے شناخت کے حساس معاملات میں دخل اندازی نہیں کررہی، بل کہ ان کے تحفظ کا ذمہ اپنے سر لے رہی ہے۔

۱۸۱۳ء میں جب کمپنی کے چارٹر کی تجدید ہوئی تو اس میں ایک نئی شق کا اضافہ ہوا جس کی رو سے کمپنی کے لیے لازم ہوا کہ وہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ ہندوستانیوں کی تعلیم پہ خرچ کیا کرے۔جس کا واضح مطلب تھا کہ اس نے ''شناخت کے حساس معاملات میں عدم مداخلت'' کی پالیسی پر نظرِ ثانی کی ہے؛ اوردرپردہ مطلب یہ تھا کہ اپنے مقبوضات کے تعلیمی نظام کو کمپنی اپنے ہاتھ میں لے لے۔اس شق سے جڑا یہ لازمی سوال کہ ہندوستان کا تعلیمی نظام کیا ہو، چارلس گرانٹ پہلے ہی اٹھا چکا تھا۔چارلس گرانٹ نے '' ۱۷۹۰ء میں...برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے ہندوستان کی تعلیمی اور اخلاقی حالت کا نقشہ کچھ ایسا کھینچ کر دکھایا کہ جیسے ہندوستانی جاہل اور وحشی لوگ ہوں۔ اس نے اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ برطانوی حکومت ہندوستانیوں کی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرے۔نیز انھیں مغربی علوم ،سائنس اور ٹیکنالوجی کے علاوہ عیسائیت کی تعلیم دے اور اس مقصد کے لیے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے ساتھ انگریزی زبان و ادب کو بھی نصاب میں شامل کرے۔''[۳] چارلس گرانٹ کے خیالات ،نشاۃِ ثانیہ کے یورپی تصوراتِ تعلیم کی سادہ اور کسی قدر خام تفسیر تھے۔آگے چل کر ہندوستانیوں کی تعلیم کا مسئلہ جب بھی نوآبادیاتی آقاؤں کے زیرِغور آیا،اس کی بنیاد میں یہ قضیہ لازماً شامل رہا کہ''ہندوستانی جاہل اور وحشی ہیں اور ان کو مہذب بنانے کا واحد طریقہ انگریزی تعلیم اور یورپی ثقافت کی ترویج ہے۔'' دس برس تک کمپنی نے ہندوستانیوں کی تعلیم کے

لیے مختص رقم خرچ نہیں کی۔

چارلس گرانٹ کے مئوقف میں جو بات ایک خیال کی سطح پر تھی تھا، وہ لارڈ میکالے کی تعلیمی رپورٹ میں ایک زور دار نظریے میں بدل گئی۔ میکالے ۱۸۳۴ء میں حکومت ہند کے نئے رکن قانون کی حیثیت سے مدراس میں وارد ہوا اور اسے مجلس تعلیمات عامہ کا صدر بنایا گیا۔ اس نے ۱۸۳۵ء کی تعلیمی رپورٹ میں یہ قطعیت سے لکھا کہ کمپنی کو اپنا تعلیمی بجٹ صرف اور صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا چاہیے اور کمپنی کو روایتی و مقامی مدارس کی مالی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ میکالے نے دھمکی دی تھی کہ اگر اُس کی تجاویز پر عمل نہ کیا گیا تو وہ مجلس تعلیمات عامہ سے استعفا دے دے گا۔ یہ دھمکی کارگر رہی اور ۱۸۳۵ء سے انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنا دیا گیا۔ اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ انگریزی نظام تعلیم ایک نئی ہندستانی اشرافیہ پیدا کرنے کی غرض سے رائج کیا گیا۔ جو باہر سے ہندستانی، مگر اندر سے انگریز ہو۔ یہ نئی ہندستانی اشرافیہ کی دوغلی شخصیت نوآبادیاتی ضرورت تھی۔ باہر سے ہندستانی ہونے کی وجہ سے، وہ انگریز حکم رانوں کے یہاں برابری کا رتبہ نہ پا سکے اور اندر سے اینگلو ہونے کے سبب وہ ہندستانیوں میں خود کو اجنبی محسوس کرے، نیز اس کی منقسم شخصیت کا داخلی رُخ خود اپنے ہم نسلوں، اپنی روایت اور اپنے ماضی سے منقطع ہی محسوس نہ کرے، اُس سے حقارت کا رویہ بھی اختیار کرے۔ اپنے ماضی سے انقطاع کے بعد پیدا ہونے والے خلا کو بدیسی علوم، اقدار اور طرزِ فکر سے پُر کرے۔ میکالے کے بہنوئی چارلس ٹریویلین نے ۱۸۳۸ء میں ہندوستانیوں کی تعلیم سے متعلق ایک کتاب تصنیف کی۔ سیاسی طور پر انگریزوں کے غلام ہندوستان پر یورپی ثقافتی غلبے کی کوششوں کو سمجھنے کے لیے ٹریولین کی کتاب بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ ٹریولین کا خیال ہے کہ غلام ہندوستان کے پاس آزادی حاصل کرنے کے دو راستے ہیں: انقلاب اور اصلاح۔ انقلاب کے ذریعے فقط ایک ماہ میں ''مرہٹہ یا اسلامی حکومت قائم کی جا سکتی ہے (یاد رہے ابھی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انیس برس باقی تھے) اور اصلاح کے ذریعے ہندوستان کو آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک صدی درکار ہوگی۔ (یہ پیش گوئی حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی) ٹریولین یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اگر ہندوستانیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو وہ اپنے ماضی کی طرف پلٹ جائیں گے، یعنی اپنے کلاسیکی علوم کی طرف متوجہ رہیں گے اور اپنے احیا کی متشددانہ کوششیں کریں گے اور اس راہ میں حائل ہونے والے یورپی ثقافتی اثرات کو ملیا میٹ کر دیں گے۔ لہٰذا ٹریولین نے انگریزی زبان و ادب کی تدریس کی پرزور حمایت کی۔ ''ہندوستانی نوجوان ہم سے ہمارے ادب کے ذریعے مانوس ہونے کے بعد ہمیں غیر ملکی سمجھنا ترک کر دیتے ہیں۔ وہ ہماری ہی طرح ہمارے عظیم لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ یکساں طریقے سے تعلیم حاصل کرنے، یکساں باتوں میں دل چسپی لینے، یکساں مشاغل میں ہمارے ساتھ مصروف ہونے کے بعد ہندوؤں [ہندوستانیوں] سے زیادہ انگریز بن جاتے ہیں۔'' ۵ اگرچہ انگریزی تعلیم کی حمایت، مشرقی علوم کی تعلیم کی مخالفت کے مترادف تھی اور میکالے کو اپنی تعلیمی رپورٹ منظور کرانے میں مشرقی علوم کی تدریس کے ہم وطن حامیوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا، مگر دونوں انگریزی سیاسی استحکام اور ثقافتی تغلب کے نکتے پر متفق تھے، بس طریقِ کار کا فرق تھا۔ ایک اور بات بھی دونوں میں مشترک تھی۔ دونوں ہندوستان کے اشرافیہ طبقے کی تعلیم کے حامی

تھے۔شرق شناس موجود اشرافیہ طبقے کی ہمدردی کے خواہاں تھے اور انگریزی پسند ایک نیا اشرافیہ طبقہ (کالے انگریز) تخلیق کرنا چاہتے تھے۔اس تعلیمی پالیسی میں ایک نیا موڑ ۱۸۵۴ء میں چارلس ووڈ کے مشہور تعلیمی مراسلے کی مدد سے آیا۔

اس مراسلے کی اہم سفارشات میں ایک تو ہر صوبے میں محکمہ تعلیم کا قیام شامل تھا؛ دوسرا اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اب تک اعلیٰ طبقے کی تعلیم پر توجہ دی گئی ہے،آیندہ عام لوگوں کی تعلیم پر توجہ دی جائے؛ تیسرا انگلستان کی طرز پر ہندوستان میں بھی اساتذہ کے تربیتی ادارے قائم کیے جائیں۔٦ عام لوگوں کی تعلیم پر زور دینے کا مطلب دیسی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کی طرف پیش قدمی تھا۔یہ پیش قدمی ،کلاسیکی زبانوں کو مزید پس منظر میں دھکیلتی تھی مگر انگریزی کے اجارے کو گزند پہنچانے کا شائبہ تک نہیں رکھتی تھی۔لہٰذا انگریزی تعلیم برابر جاری رہی۔۱۸۸۲ء میں سر ولیم ہنٹر کی سربراہی میں قائم ہونے والے انڈین ایجوکیشن کمیشن نے دیسی زبانوں کو پرائمری اور ثانوی جماعتوں میں ذریعہ تعلیم بنانے کی سفارش برقرار رکھی۔لہٰذا دیسی زبانوں میں نصابات کی تیاری ۱۸۵۴ء کے تعلیمی مراسلے کے بعد شروع ہوئی۔یہ الگ بات ہے کہ یہ سارا عمل بے حد سست رفتاری سے ہوا۔

برطانوی ہندوستان کا نظامِ تعلیم اشرافیہ کی سطح پر انگریزی اور عوام کی سطح پر ورنیکلر اور انگریزی سے بہ یک وقت عبارت تھا۔انگریزی تعلیم کی کیا جہت تھی؟ اس کا جواب ہمیں ''ایشیاٹک ریویو'' میں شامل پنڈت شیام شنکر کے ایک مقالے سے مل جاتا ہے۔ پنڈت شیام نے ۱۸۵۷ء کے یونیورسٹی ایکٹ میں درج یونیورسٹی کے قیام کے مقاصد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یونیورسٹی کے قیام کا مقصد تعلیم نہیں،بل کہ جانچنا یا فن تھا...ہندوستانی جامعات بنیادی طور پر تعلیم دینے کے لیے نہیں،جیسا کہ ہم عموماً اس اصطلاح کا مطلب لیتے ہیں،یعنی جسمانی،ذہنی اور اخلاقی صلاحیتوں کی متناسب نشوونما۔'' ۷ اسی رسالے (جس کا ابتدا میں نام ''دی امپیریل اینڈ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو'' تھا) کے چند سال پہلے کے شمارے میں جے کنیڈی کا مضمون ''انڈین ایجوکیشن پالیسی'' شایع ہوا تھا۔کنیڈی انگریزی اور ورنیکلر تعلیم کے اہداف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اگرچہ [انگریزی] تعلیم یافتہ مقامی لوگوں کے لیے لنگوا فرینکا ہے،مگر اس کا مطالعہ مقصودِ بالذات نہیں،بل کہ یہ اس لیے سیکھی جاتی ہے کہ یہ سرکاری ملازمت کی بنیادی اہلیت ہے...ورنیکلر تعلیم بھی سرکاری ملازمت کے نچلے عہدوں کے لیے درکار ہے۔'' ۸ اگرچہ انگریزی اور ورنیکلر تعلیم میں وہی طبقاتی امتیاز قائم کیا گیا جو انگریز اور ایک عام ہندوستانی میں موجود تھا،مگر دونوں کا مقصود ایک ہی تھا: سرکاری کارندے پیدا کرنا۔تعلیم کو انسان کی بہترین ذہنی صلاحیتوں کی دریافت ونمو اور فطری روحانی صلاحیتوں کی ترقی سے الگ کر کے چند ٹکوں کی سرکاری نوکری کا وسیلہ بنانے میں استعمار کو کئی مقاصد حاصل ہوتے تھے۔سب سے بڑا مقصد یہ حاصل ہوتا تھا کہ سرکاری ملازمت ہندوستانیوں کو استعماری نظام کی کل کا پرزہ بنا دیتی تھی اور وہ اس کے خلاف احتجاج و مزاحمت کا حق کھو دیتے تھے۔ استعماری کل کا پرزہ بننے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی یورپی تہذیب اور اس کے مظاہر کی مدحت کے جذبات اپنے دل میں پیدا کریں۔یہ سب مخصوص طرز کے نصابات کے ذریعے ممکن تھا۔لہٰذا نصابات کی تیاری میں اس مقصد کو پیشِ نظر رکھا گیا۔

عظیم فکری اور تہذیبی تبدیلیاں دیسی زبانوں کی ترقی کی مرہون ہوتی ہیں۔جدید یورپ کے تہذیبی انقلاب کو ممکن بنانے میں وہاں کی ورنیکلر زبانوں کا سب سے اہم حصہ ہے: کلاسیکی لاطینی اور یونانی کی جگہ جب انگریزی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی، ہسپانوی وغیرہ نے لی اور ان میں کلاسیکی پائے کے ادبیات کی تخلیق ہوئی اور انھیں جدید علوم کی زبانیں بنایا گیا۔لہٰذا نو آبادیاتی برصغیر میں بھی اس بات کا امکان تھا کہ دیسی زبانوں کی سرپرستی سے 'ایک عظیم فکری و تہذیبی انقلاب' برپا ہو،مگر ایسا نہیں ہوا۔ یورپ کو ایک آفاقی مثال کے طور پر پیش کرنے کے باوجود برصغیر میں یورپ کی تاریخ نے یہاں خود کو نہیں دہرایا۔اکثر مستشرقین اردو کے لیے انگریزی کو اس درجے کا حامل سمجھتے تھے جو لاطینی و یونانی کا انگریزی کے لیے تھا اور یہ رائے ظاہر کرتے تھے کہ جس طرح لاطینی و یونانی نے ورنیکلر انگریزی کو ثروت مند کیا ،اسی طرح انگریزی ،اردو کو بیش بہا فائدہ پہنچائے گی۔اسی خیال سے اردو کے نصابات میں 'انگریزی روح' بھرنے کی کوشش کی گئی۔نو آبادیاتی عہد کے اردو نصابات کی 'روحِ رواں' انگریزی فکر ہے، انگریزی ادب کی شعریات بس کہیں کہیں،ادھورے انداز میں جلوہ دکھاتی ہے۔ چوں کہ نصابات کی ترتیب کا بنیادی محرک 'سرکار کی کل کے پرزے' تیار کرنا ہے،لہٰذا وہ فکری و تہذیبی انقلاب ممکن نہیں تھا، جو انسان کے طبعی، ذہنی اور اخلاقی قوا کی متناسب نشو ونما کا رہینِ منت ہے۔

حوالہ جات:

(۱) لیلا گاندھی، ***Postcolonial Theory***، ایڈنبرا، ایڈنبرا یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۸ء، ص ۴۵

(۲) ڈاکٹر انجم رحمانی، پاکستان میں تعلیم: ایک تحقیقی جائزہ، لاہور پاکستان کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۶ء، ص ۷۸

(۳) ایضاً ، ص ۷۹

(۴) شبیر بخاری، سید، میکالے اور برصغیر کا نظامِ تعلیم، (یادداشت، حواشی و تعلیقات)، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۶ء، ص ۶۵

(۵) چارلس ٹریولین، ***On The Education of the People of India***،لندن، لانگ مین ،ارمی براؤن، گرین اینڈ لانگ مینز، ۱۸۳۸ء، ص ۴۵

(۶) ڈاکٹر انجم رحمانی، پاکستان میں تعلیم: ایک تحقیقی جائزہ، ص ۸۳

(۷) پنڈت شیام "The problems of Education in India" مشمولہ ***The Asiatic Review***، جلد ہفتم، جولائی تا نومبر ۱۹۱۵ء ص ۴۰۱۔۴۰۲

(۸) جے کنیڈی، Indian Education Policy، مشولہ ***The Imperial and Asiatic Quarterly Review***، جلد ۱۹، جنوری تا اپریل ۱۹۰۵ء ص ۴